

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

رہن (گرویشے) کے احکام

الجواب بعون الوهاب بشرط صحة السؤال

و عليكم السلام ورحمة الله وبركاته!

الحمد لله، والصلاة والسلام على رسول الله، أما بعد!

رہن کے لغوی معنی "ثابت اور پختہ" کے ہیں جبکہ شرعی مفہوم یہ ہے کہ "قرض کی پہچانگی کے لیے کوئی چیز قرض خواہ کے پاس رکھنا تاکہ وہ عدم ادائیگی کی صورت میں اس چیز سے یا اس کی قیمت سے اپنا قرض مہیا کر سکے۔"

رہن کا جواز قرآن و سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ

٢٨٣ ... سورة البقرة

"اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو کوئی چیز گرومی (رہن کے طور پر) قبضے میں رکھ لی جائے۔" [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فوت ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ ایک یہودی کے پاس (قرض کے عوض میں) گروی تھی۔

سفر میں رہن کے جواز پر علماء کا اجماع ہے جب کہ جمہور علماء نے حضر میں بھی رہن کو جائز قرار دیا ہے۔ [2]

رہن کی مشروعیت میں شاید حکمت یہ ہے کہ لوگوں کے اموال کو ضائع ہونے سے محفوظ رکھنا اور بچانا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرض کی توثیق کے لیے اولاً لکھنے کا حکم دیا اور کاتب کے میسر نہ آنے کی صورت میں رہن رکھنے کی تاکید کی جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

[illegible]

"اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے میعاد مقرر پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو، اور لکھنے والے کو چاہئے کہ تمہارا آپس کا معاملہ عدل سے لکھے، کاتب کو چاہئے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے جیسے اللہ تعالیٰ نے اسے سکھایا ہے، پس اسے بھی لکھ دینا چاہئے اور جس کے ذمہ حق ہو وہ لکھوائے اور اپنے اللہ تعالیٰ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور حق میں سے کچھ گھٹائے نہیں، ہاں جس شخص کے ذمہ حق ہے وہ اگر نادان ہو یا کمزور ہو یا لکھوانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی عدل کے ساتھ لکھوا دے اور اپنے میں سے دوسرا گواہ رکھ لو، اگر دوسرا نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کرو لانا کہ ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلا دے اور گواہوں کو چاہئے کہ وہ جب بلائے جائیں تو انکار نہ کریں اور قرض کو جس کی مدت مقرر ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو لکھنے میں کالی نہ کرو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات بہت انصاف والی ہے اور گواہی کو بھی درست رکھنے والی اور حق و شبہ سے بھی زیادہ بچانے والی ہے، ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ معاملہ نقد تجارت کی شکل میں ہو جو آپس میں تم لین دین کر رہے ہو تو تم پر اس کے نہ لکھنے میں کوئی گناہ نہیں۔ خرید و فروخت کے وقت بھی گواہ مقرر کر لیا کرو اور (یاد رکھو کہ) نہ تو لکھنے والے کو نقصان پہنچایا جائے نہ گواہ کو اور اگر تم یہ کرو تو یہ تمہاری کلمی نافرمانی ہے، اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اللہ تمہیں تعلیم دے رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے والا ہے اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو رہن قبضہ میں رکھ لیا کرو، [3]

بلاشبہ اس حکم کے نزول میں بندوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت و شفقت ہے۔ اور ایسی راہنمائی ہے جس میں لوگوں کی سراسر بھلائی ہے۔

رہن کی شے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی مقدار جنس اور صفت کا علم ہو۔ نیز راہن (رہن رکھنے والا) عاقل بالغ اور آزاد انسان ہو۔ اس شے کا مالک ہو یا اسے اس کے تصرف کی مکمل اجازت ہو۔ ہر انسان کے لیے جائز ہے۔ کہ اپنی ذاتی چیز راہن رکھ کر کسی دوسرے کو قرض دلوادے۔

رہن کی شے ایسی ہونی چاہیے جو فروخت ہو سکے تاکہ اگر مرتن (جس کے ہاں گروی شے موجود ہے) کو قوت مقرر پر قرضہ واپس نہ مل سکے تو اسے فروخت کر کے اپنے قرض کی رقم پوری کر لے۔

رہن رکھنے کی شرط دوران عقد ہو یا عقد کے بعد دونوں صورتیں درست ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو کوئی چیز گرومی (رہن کے طور پر) قبضے میں رکھ لی جائے۔" [4]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رہن کو کتنا بت کا تبادلہ قرار دیا ہے اور کتنا بت تو حق واجب ہونے کے بعد ہی ہوتی ہے۔

رہن صرف راہن کی جانب سے لازم ہوتا ہے کیونکہ اس میں حق وفائدہ مرتن کا ہوتا ہے (جس کی حفاظت کے لیے رہن رکھا جاتا ہے) مرتن کی طرف سے رہن لازم نہیں ہوتا بلکہ اسے شرط رہن فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہے کیونکہ رہن میں صرف اس کا فائدہ ملحوظ ہوتا ہے اور اسے اپنے فائدے سے دست بردار ہونے کا حق حاصل ہے۔

اگر راہن کے پاس کوئی مشترک چیز ہو جس میں غیر کا حق ہو تو اس چیز میں اپنا حصہ مرتن کے پاس بطور رہن رکھ سکتا ہے۔ اس لیے کہ وصولی قرضہ کے وقت مرتن اس چیز میں راہن کا حصہ فروخت کر کے اپنے قرضے کی رقم وصول کر سکتا ہے۔

ادھار خریدی ہوئی شے اپنی طے شدہ قیمت کے بدلے بطور رہن رکھی جاسکتی ہے کیونکہ اس کی قیمت مشتری کے ذمے ہے اور اسے اس چیز کی ملکیت حاصل ہو چکی ہے لہذا اسے اپنی قیمت کے بدلے گرومی رکھنا جائز ہے: مثلاً: کسی نے مکان یا کار ادھار خریدی یا نقد خریدی لیکن پیسے ابھی وصول نہیں کیے تو وہ قیمت کی ادائیگی تک رہن کے طور پر رکھی جاسکتی ہے۔

راہن اور مرتن میں سے کسی ایک کے لیے بھی جائز نہیں کہ دوسرے کی اجازت کے بغیر شے میں تصرف کرے کیونکہ اگر راہن (مقروض) اس میں کوئی تصرف کرے گا تو مرتن قرض خواہ) کا حق تو شیخ و اعتماد متاثر ہوگا۔ اور اگر مرتن (قرض خواہ) اس میں تصرف کرے گا تو یہ دوسرے کی ملوکہ چیز میں تصرف ہوگا (جو جائز نہیں)

جہاں تک رہن سے فائدہ حاصل کرنے کا تعلق ہے تو راہن اور مرتن جس بات پر متفق ہو جائیں درست ہے مثلاً: اگر دونوں اسے کرایہ دینے پر متفق ہوں تو ٹھیک ورنہ وہ شے بے کار پڑی رہے گی حتیٰ کہ راہن ادھار ادا کر دے۔ البتہ اگر رہن کی شے کو صحیح رکھنے کے لیے کسی عمل دخل کی ضرورت ہو تو راہن کو اس کی اجازت ضرور ملنی چاہیے مثلاً: درختوں کو پانی دینا اس کی کاشت بھانٹ کرنا یا رہن شدہ جانور کا علاج معالجہ کرنا وغیرہ راہن کی ذمہ داری ہے کیونکہ اس میں رہن کی اصلاح و مصلحت ہے۔

رہن کی متصل بڑھوتری مثلاً: کسی جانور کا موٹا ہونا یا غلام کا کوئی صنعت سیکھنا اور اس کی منفصل بڑھوتری مثلاً: بچوں کی پیدائش درخت کا پھل دینا حیوان کی ادون، غلام کی کمائی وغیرہ رہن کے ساتھ ملحق ہوگی لہذا قرضہ پورا کرنے کے لیے رہن کے ساتھ اسے بھی بیع میں شامل کیا جائے گا۔ اسی طرح شے کی اجرت یا کوئی فائدہ حاصل ہو تو وہ اس کے تابع ہوگا۔ اور غلام پر زیادتی ہو جانے کی صورت میں ملنے والا تناوان یا دیت رہن کے ذمے ہے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وَالْيَخْلُوعُ مِنَ مَالِهِ رَسْمٌ لِّلْمَرْءِ عَلَيْهِ خَرْمٌ"

"جس نے کوئی شے "رہن" رکھی ہو وہ اس کے مالک سے نہ روکی جائے اس کا فائدہ بھی اسی کے لیے ہے اور اس پر اس کا تناوان (نقصان) بھی ہے۔" [5]

اس کی وجہ یہ ہے کہ راہن گرومی شے کا مالک ہے لہذا اس کا خرچ اسی کے ذمہ ہے۔ اسی طرح اگر رہن کا مال کسی سیف (الماری) یا کمرے میں رکھا گیا ہو تو اس کا کرایہ اس کی حفاظت و نگرانی پر مامور شخص کی اجرت مرہون رولور کے چروانے کی اجرت یہ سب کچھ راہن (مقروض) کے ذمے ہے کیونکہ اس شے پر ہونے والے اخراجات میں یہ خرچ بھی شامل ہے۔

اگر رہن کا کچھ حصہ تلف ہو گیا اور کچھ بچ گیا تو باقی حصہ ہی (قرض کے عوض میں) بطور رہن ہوگا۔ واضح رہے کہ رہن کا کل قرضہ رہن کے کل اجزاء سے متعلق ہے۔ جب رہن کا کچھ حصہ ضائع ہو گیا تو رہن کا باقی حصہ کل قرضہ کے عوض میں ہو گیا۔

اگر رہن نے قرض کا کچھ حصہ ادا کیا اور کچھ باقی ہے تو وہ رہن کی شے اس وقت تک واپس نہیں لے سکتا جب تک تمام قرض ادا نہ کر دے۔

رہن کے عوض لے ہوئے قرض کی ادائیگی کا مقرر وقت آجائے تو مقروض پر لازم ہے کہ فوراً قرض ادا کرے جیسے بلا رہن قرض وقت پر ادا کرنا ضروری ہے کیونکہ یہی عقد کا تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَلْيُوْا الَّذِيْ اَوْثَقَ وَفِيْشِ الْاَدْرَئَةِ ... ۲۸۳ ... سورة البقرة

"جسے امانت دی گئی ہے وہ اسے ادا کر دے اور اللہ سے ڈرتا رہے جو اس کا رب ہے۔" [6]

اگر اس نے قرض ادا نہ کیا تو سمجھا جائے گا کہ وہ مال مٹول کر رہا ہے اس وقت قاضی اسے قرض ادا کرنے پر مجبور کرے گا۔ اگر وہ بھی آدہ نہ ہو تو اسے قید یا کوئی اور سزا دی جائے گی حتیٰ کہ وہ مکمل قرض ادا کر دے یا رہن کی شے کو فروخت کر کے مرتن کو اس کے قرض کی رقم کے مطابق دے دے۔ یہ قرض خواہ کا حق ہے کیونکہ رہن کا مقصد بھی یہی تھا کہ قرض محفوظ ہو اور بوقت ضرورت رہن کو فروخت کر کے قرض کی رقم ادا کی جاسکے۔ اگر قرض کی رقم ادا کر کے کچھ مال بچ گیا تو وہ راہن (مقروض) کو لوٹا دیا جائے گا کیونکہ وہ اس کا مالک ہے۔ اور اگر فروخت شدہ رہن سے قرض پورا نہ ہو سکا تو باقی قرض کی ادائیگی راہن کے ذمے رہے گی۔

"مرتن" (قرض خواہ) رہن مکے ہوئے جانور پر خرچ کرنے کے بدلے میں اس پر سواری کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ سواری کے قابل ہو اور اس کا دودھ پی سکتا ہے نفقہ کے بدلے میں۔ اس بارے میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"الْمَرْءُ يَرْكَبُ بَشْفِئِهِ اِذَا كَانَ مَرْبُوْعًا، وَلَيْنَ اَلْبَرْءُ غَرِبَ بَشْفِئِهِ اِذَا كَانَ مَرْبُوْعًا، وَعَلَى الَّذِيْ يَرْكَبُ وَغَرِبَ الشَّفْءُ"

"مرہون" جانور پر خرچ کے عوض سواری کی جاسکتی ہے اور اس دودھ دینے والے "مرہون" جانور کا دودھ پیا جاسکتا ہے اور جو سوار ہوگا اور دودھ پیے گا وہ خرچ ادا کرے گا۔" [7]

واضح رہے کہ اگر مرتن خرچ سے زائد نفع حاصل کرے گا تو یہ درست نہیں بلکہ اس کا کرار یہ یا اجرت راہن کو واپس کرے۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "درست بات جو شریعت کے اصولوں سے ثابت اور حدیث اس پر دلالت کرتی ہے وہ ہے کہ بے شک گروی جانور اللہ کے حق کی بنا پر بذات خود محترم ہے جبکہ مالک کے لیے اس میں حق ملکیت ہے اور مرتن (قرض خواہ) کے لیے اس میں حق توثیق و اعتماد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے گروی شے قرض خواہ (مرتن) کے قبضے میں رکھی ہے۔ جب گروی شے قرض خواہ کے پاس رہے اور وہ اس کا دودھ نہ دوسے تو اس کا فائدہ ضائع ہو گیا۔ عدل و انصاف اور قیاس اور راہن و مرتن اور (گروی) حیوان کے ساتھ خیر خواہی کا تقاضا یہی ہے کہ قرض خواہ سواری اور دودھ کا فائدہ حاصل کرے۔ یہ فائدہ اس کے عوض میں ہوگا جو اس نے چارہ وغیرہ ڈالا ہے اس میں راہن اور مرتن دونوں کی مصیلتوں کو جمع کیا گیا ہے اور دونوں کو ان کا حق پہنچا دیا گیا ہے۔" [8]

بعض فقہانے کرام کی رائے ہے کہ رہن شے دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک وہ قسم جس پر خرچ ہوتا ہے اور دوسری وہ قسم جس پر خرچ نہیں ہوتا۔ جن اشیاء پر خرچ ہوتا ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔

1۔ جاندار جو دودھ دہنے اور سواری کرنے کے قابل ہو اس کا حکم تو اوپر بیان ہو چکا ہے۔

2۔ جو دودھ دہنے اور سواری کے لائق نہ ہو مثلاً: غلام یا لونڈی یہ نوع ایسی ہے جس سے انتفاع و استفادہ مالک کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہاں اگر مالک اجازت دے کہ اس پر خرچ کیا جائے اور اس کے عوض فائدہ اٹھائے تو مرتن فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

رہن اشیاء کی دوسری قسم کہ جس پر کچھ خرچ نہیں آتا مثلاً: مکان، سامان وغیرہ اس میں بھی راہن کی اجازت کے بغیر فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔ البتہ جب رہن کی شے قرض کی رقم کے عوض میں لی گئی ہو تو انتفاع بالکل جائز نہ ہوگا جیسا کہ پچھلے باب میں گزر چکا ہے تاکہ وہ ایسا قرض نہ بن جائے جو نفع لانے والا ہو اور وہ سود بن جائے۔

ضمان (ضمانت) کے احکام

ضمان (ضمانت) قرض کی شرعی توثیق کی ایک صورت ہے۔ ضمان کا شرعی معنی "کسی دوسرے پر ثاب شدہ حق کی ذمہ داری قبول کر لینا" ہے مثلاً ضمان من لکے: "جو کچھ تم نے فلاں شخص سے لینا ہے وہ میں تمہیں ادا کروں گا۔"

ضمان کے باوجود اگر ضمان ادا نیکی نہیں کرتا تو مضمون عنہ (جس شخص کی طرف سے ذمہ داری قبول کی گئی ہے) ادا نیکی کا ذمہ دار ہوگا۔

قرآن مجید، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع امت سے ضمان کا جواز ثابت ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

وَلَمَّا جَاءَ بِهٖ حُلٌّ يَجْعَلِ الْهٖ وَتَا بِهٖ زَعْمٌ ۚۚ ... سورۃ بقرہ

"جو اسے لے آئے اسے ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ لے گا اور اس (وعدے) کا میں ضمان ہوں۔" [9]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "الزَّعِيمُ غَارِمٌ" ضمان ادا نیکی کرے گا۔" [10]

علاوہ ازیں ضمان کے جواز میں علماء کا اجماع ہے کیونکہ مصلحت اسی کی مقتضی ہے اور لوگوں کو اس کی اشد حاجت اور ضرورت پڑتی ہے نیز اس کا تعلق نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرنے مسلمان کی ضرورت پوری کرنے اور اسے مشکل سے نکلنے سے ہے۔

ضامن کے لیے عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے لہذا بے وقوف و بچے کا ضمان درست نہ ہوگا نیز ضامن کا ضمانت پر رضامند ہونا ضروری ہے جبر واکراہ کی صورت میں ضمان صحیح نہ ہوگا کیونکہ ضمان تبرع اور احسان کے ساتھ کسی کا حق قبول کرنے کا نام ہے اور تبرع میں رضامندی ضروری ہوتی ہے۔

ضمان ایک ایسا عقد ہے جس میں مضمون عنہ کے ساتھ تعاون کرنا مقصود ہوتا ہے لہذا اس کام میں معاوضہ لینا جائز نہیں۔ ضمان کے عوض معاوضہ لینا ایسے ہی حرام ہے جیسے قرض دے کر نفع حاصل کرنا لہذا ضامن کو چاہیے کہ قرض خواہ کے مطالبے پر اس کی رقم یا مال ادا کر دے اور معاوضہ لینے سے بہر صورت اجتناب کرے۔ لوگوں کے ساتھ تعاون و ہمدردی کرے۔ ظلم و زیادتی کر کے محتاج کو مشکل میں ڈالنا نیکی اور اعانت نہیں۔

ضمانت قبول کرتے وقت کوئی بھی کلمات کہے جاسکتے ہیں جن سے ضمانت کا مضمون ادا ہو جائے، مثلاً:

"اِنَّا قَبَّلْنَا تَحْمِيلَ اِنَّا تَحْمِيلُ اِنَّا تَحْمِيلُ" میں ضامن ہوں یا میں قبول کرتا ہوں یا میں (اس کو) اٹھاتا ہوں یا میں (اس کا) ذمہ دار ہوں۔" یا یوں کہے کہ میں تیرے قرض کو اٹھاتا ہوں یا وہ میرے پاس ہے وغیرہ الغرض جس لفظ سے بھی ضمانت کا مضمون ادا ہوتا ہو جائز ہے کیونکہ کسی حدیث میں کوئی مخصوص اور متعین کلمات وارد نہیں ہوئے لہذا اس میں عرف کا اعتبار ہوگا۔

صاحب حق اپنے حق کا مطالبہ ضامن یا مضمون عنہ کسی سے بھی کر سکتا ہے کیونکہ اس کا حق دونوں کے ذمہ ہے لہذا جس سے چاہے اپنا حق طلب کرے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ "الزَّعِيمُ غَارِمٌ" ضامن حق ادا کرے گا۔" [11] "زَعِيمٌ" ضامن کو کہتے ہیں اور "عازم" جس کے ذمہ کوئی حق لازم ہو۔ اور یہی بصورتِ قرض ہے۔

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ صاحب حق کا ضامن سے مطالبہ کرنا جائز نہیں الا یہ کہ مضمون عنہ سے مطالبہ کرنے میں کوئی مشکل ہو کیونکہ ضمان فرع ہے اصل نہیں اور فرع کو تب اختیار کیا جاتا ہے جب اصل تک رسائی مشکل ہو نیز ضمان کسی کے حق کی توثیق کے لیے ہوتا ہے جیسا کہ رہن ہے۔ اور رہن سے اپنا حق تبھی پورا کیا جائے گا جب راہن سے مال ملنا مشکل ہو۔ یہی صورت ضمان میں ہوگی مزید یہ کہ مضمون عنہ کی موجودگی میں اور اس سے مال ملنے کی

صورت میں ضامن سے مطالبہ کرنا لوگوں کے ہاں بھی بری چیز ہے کیونکہ لوگوں کے ہاں معروف یہی ہے کہ ضامن سے مطالبہ تب ہو جب مضمون عہد سے مال حاصل کرنا دشوار ہو۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی یہی رائے ہے اس کے بارے میں انھوں نے فرمایا: یہ قول کافی قوی ہے۔

اگر "مضمون عہد" ادائیگی یا معافی کے ذریعے سے بری ہو گیا تو ضامن بھی ضمان سے بری ہو گا کیونکہ ضامن کی ذمہ داری مضمون عہد کی ذمہ داری کے تابع ہے۔

ایک ہی چیز میں دو یا زیادہ افراد بھی ضامن ہو سکتے ہیں یعنی یہ بھی جائز ہے کہ دو افراد مکمل چیز کے ضامن بن جائیں یا اس کے جز کے ضامن بن جائیں۔ اس صورت میں کوئی ایک تب بری ہو گا جب دوسرا بری ہو گا مضمون عہد کے بری ہونے کی صورت میں سب بری ہو جائیں گے۔

صحت ضمان کے لیے مضمون لہ کی پہچان اور تعارف شرط نہیں کہ جس کو ایک شخص جانتا نہیں اس کی ضمان نہیں دے سکتا۔

ضمان کا مال معلوم ہو یا مچول دونوں صورتوں میں ضمان درست ہے بشرطیکہ مچول بعد میں معلوم کی حیثیت اختیار کرنے والا ہو۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَمَّا جَاءَ بِهِمْ حِمْلُ بَعْرِ وَثْقَا ۖ يَوْمَئِذٍ يَخْتَلِفُ أَعْيُنُ النَّاسِ لِمَن يُعْتَدِلُ ۖ ذُو الْوَسْطَىٰ ۖ وَهُوَ خَيْرٌ مِّنْ ذَوَيْ الْمَقَادِرِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ... سورۃ بقرہ ص ۷۲

"جو اسے لے آئے اسے اونٹ کے بوجھ غلطے گا اور اس (وعدے) کا میں ضامن ہوں۔" [12]

ایک اونٹ کا بوجھ غلہ اگرچہ اس کی مقدار مچول ہے لیکن تھپڑ اس کا علم حاصل ہو جائے گا لہذا آیت اس کے جواز کی دلیل ہے۔

فروخت شدہ چیز کے صحیح ہونے کی ضمانت دینا درست ہے یعنی اگر بعد میں ثابت ہو کہ فروخت کرنے والا اس چیز کا جائز مالک نہیں تھا تو قیمت واپس کرنے کا میں ضامن ہوں۔

کسی شخص پر مستقبل میں واجب الایہ ہونے والے قرض کی پٹنگی ضمانت دینا جائز ہے۔

کفالت (شخصی ضمانت) کے احکام

کفالت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی ایسے آدمی کے بارے میں یہ ذمہ داری اٹھائے کہ اپنے آپ پر یہ لازم کر لے کہ اگر فلاں پر کوئی مالی حق ثابت ہو گیا تو میں اسے عدالت میں پیش کر دوں گا۔ اسے آج کل کے عرف میں "شخصی ضمانت" کہا جاتا ہے۔

"عقۃ کفالت" مکحول (جس کی شخصی ضمانت دی جائے) کے وجود سے متعلق ہوتا ہے لہذا ہر اس انسان کی کفالت درست ہے جس پر کوئی مالی حق ہو یا اسے کسی عدالت میں حاضر کرنا ہو مثلاً: قرض وغیرہ کی ادائیگی میں کفالت۔

جس شخص پر کسی جرم کی وجہ سے حد لگائی جانی ہو اس کے بدن کی کفالت صحیح نہیں کیونکہ کفالت کا مقصد مطلوب شخص کی حاضری کو یقینی بنانے ہے اور حد و شبہ کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں لہذا ان میں حاضری کو یقینی بنانا ممکن نہیں۔ اسی طرح ایسے بدن کی کفالت بھی درست نہیں جس پر قصاص دینا لازم ہو کیونکہ قصور وار کے علاوہ کسی دوسرے شخص سے قصاص نہیں لیا جاسکتا۔ اسی طرح اگر کفیل مجرم کو حاضر نہ کر سکے تو مجرم کے جرم کی سزا کفیل کو نہیں دی جاسکتی۔

کفالت کے درست ہونے کے لیے کفیل کا رضا مند ہونا شرط ہے کیونکہ اس کی رضا کے بغیر اس پر کوئی حق مسلط نہیں کیا جاسکتا۔

اگر کسی کو حاضر کرنے کی کفالت میں "مکحول" مر جائے تو اس پر کچھ لازم نہیں آتا کیونکہ اس صورت میں وہ اسے عدالت میں حاضر کرنے سے معذور ہے۔

اسی طرح اگر مکحول نے اپنے آپ کو خود ہی مالک کے حوالے کر دیا تو کفیل بری ہو گا کیونکہ کفیل نے جس کی ذمہ داری اٹھائی تھی وہ موقع پر خود ہی حاضر ہو گیا ہے۔

مالی کفالت کی صورت میں اگر مکحول زندہ ہے اور اس کے حاضر ہونے کا وقت آگیا لیکن اس کو حاضر کرنا مشکل ہے یا وہ کہیں غائب ہو گیا ہے اور ایک عرصہ بیت گیا تو کفیل اپنے مکحول کے قرض کا ضامن ہو گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "ضامن ادائیگی کرے گا۔" [13]

کفالت کے مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ کسی شخص کی جان پہچان کی ضمانت دینا جائز ہے مثلاً: کوئی شخص کسی کے پاس قرض لینے کے لیے آیا تو اس نے کہا: "میں تجھے جانتا نہیں ہوں اس لیے تجھے قرض نہیں دے سکتا۔" تو ایک دوسرے شخص نے کہا: اس کی جان پہچان کی ضمانت میں دیتا ہوں اور اس کا نام اور اس کی جائے رہائش کی پہچان کرادوں گا۔ چنانچہ اس کے کہنے پر اس شخص کو قرض دے دیا گیا۔ اب اگر مقروض غائب ہو گیا اور اس نے وقت پر قرض نہ لوٹا یا تو کفیل کی ذمہ داری ہے کہ اسے حاضر کرے محض اس کا نام بتا دینا کافی نہ ہو گا اور اگر وہ مقروض کو (زندہ ہونے کی صورت میں) حاضر نہ کر سکا تو ضامن اس کے قرض کا ذمہ دار ہو گا کیونکہ اس کے تعارف کروانے کی وجہ ہی سے اسے قرض دیا گیا تھا گویا وہ پہچان کروانے سے مقروض کا ضامن و کفیل قرار پا گیا۔

حوالہ کے احکام

ایک شخص کے ذمے سے قرض تبدیل کر کے دوسرے کے ذمے کر دینا حوالہ ہے مثلاً: ایک شخص نے قرضہ دینا ہے اور اس نے کسی سے قرضہ لینا بھی ہے تو قرض کا مطالبہ کرتا ہے تو یہ کہتا ہے میں نے فلاں سے قرض لینا ہے تو اس سے وصول کر لے۔ اگر یہ تسلیم کر لے تو مقروض بری الذمہ ہو جائے گا۔ [14]

"حوالہ" سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"جب تم میں سے کسی (کے قرض) کو غنی کے حوالے کیا جائے تو وہ اسے قبول کرے۔" [15]

متعدد علماء کرام نے "حوالہ" کے جواز و ثبوت پر اجماع نقل کیا ہے۔

"حوالہ" میں لوگوں کے ساتھ نرمی ہے اور ان کے معاملات میں آسانی پیدا کرنے کے لیے ہے۔ اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے میں تعاون کی ایک آسان اور چھٹی صورت ہے تاکہ ان کے قرضے ادا ہوں اور انہیں راحت و سکون حاصل ہو۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ "حوالہ" خلاف قیاس ہے کیونکہ یہ قرض کی قرض کے ساتھ بیع ہے جو کہ ممنوع ہے لیکن حوالہ میں یہ خلاف قیاس جائز ہے۔ لیکن علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان لوگوں کا رد کیا ہے اور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ حوالہ قیاس سے موافقت اور مناسبت رکھتا ہے کیونکہ اس کا تعلق بیع کے مسائل سے نہیں بلکہ اس کا تعلق بیع کی ادائیگی سے ہے۔

نیز وہ فرماتے ہیں۔ "اگر اسے (حوالہ کو) قرض کی قرض کے ساتھ بیع مان بھی لیا جائے تو یہ قسم ممنوع صورت میں شامل نہیں کیونکہ قواعد شرعیہ اس کے جواز کا تقاضا کرتے ہیں کہ ایک شخص کا قرضہ تبدیل کر کے دوسرے کے ذمے کیا جائے تاکہ اسے اپنا مال کسی صورت میں مل جائے۔" [16]

درج ذیل شرائط کے بغیر "حوالہ" درست نہیں۔

1۔ مقرر و مضروبین قرض کی ادائیگی کے لیے جس شخص کا حوالہ دے اس پر قرضہ ثابت شدہ ہو کیونکہ حوالے کا تقاضا محال علیہ پر قرض کو لازم کرنا ہے اور جب قرض محال علیہ کے ذمہ ثابت شدہ نہ ہو تو اس کا ساقط ہونا ممکن ہوگا لہذا "حوالہ" اس کے ذمہ ثابت نہیں ہوگا لہذا کسی ایسی فروخت شدہ چیز کی قیمت پر حوالہ درست نہیں جو مدت خیار میں ہو۔ اسی طرح بیٹے کا باپ کی طرف حوالہ درست نہیں الا یہ کہ باپ راضی ہو۔

2۔ محال (قرض خواہ) اور محال علیہ (جس سے قرض وصول کرنے کے لیے کہا گیا ہے) دونوں کے قرضے جنس تعداد و مقدار، صفت اور ادائیگی کی مبادی میں برابر متماثل جیسے دونوں قرضے درابہم کی صورت میں ہوں تعداد و مقدار میں مماثلت کے دونوں قرضوں کی رقم یکساں ہو سو ریال کے قرض کا حوالہ نوے ریال کے قرض پر جائز نہیں کیونکہ حوالہ قرض کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور ہمدردی ہے۔ کسی پیشی کی صورت میں حوالہ کا مقصد فوت ہو جانا ہے بلکہ یہ زیادہ رقم طلب کرنے کی صورت ہے جو قرض میں نفع حاصل کرنے کی طرح حرام ہے البتہ اگر کسی نے ایک شخص کو جسے سو ریال قرض لوٹنا تھا ایسے شخص کے حوالے کیا جس سے اس نے دو سو ریال قرض واپس لینا تھا تو یہ صورت جائز ہے باقی سو ریال صاحب حق خود وصول کر لے گا۔ صفت میں یکسانیت جیسے دونوں طرف سے سعودی عرب کی کرنسی کا ہونا ہے۔ وقت میں مطابقت جیسے ایک قرض کی مدت ایک ماہ ہو تو دوسرے کی بھی ایک ماہ مدت ہو۔ کسی پیشی نہ ہو۔

3۔ محیل (حوالہ کرنے والا) رضا ہو۔ اس لیے کہ حوالہ کرنے والے نے اگرچہ قرض دینا ہے مگر اس پر یہ لازم نہیں کہ حوالہ ہی کی صورت میں ادا کرے۔ محال علیہ کی رضامندی شرط نہیں جیسا کہ محال (جس کے حوالے کیا جا رہا ہے) کا راضی ہونا شرط نہیں جبکہ اسے ایسے غنی کے حوالے کیا جا رہا ہو جو مال مثول نہیں کرنا بلکہ اسے حوالہ کو قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ محال علیہ سے اپنا حق خود طلب کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

"مَنْ أَخَذَ غَنًى مِنْ غَنًى كَسَاخِرٍ كَرَاهٍ لَهُمْ" وَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ

"قرض کی ادائیگی میں غنی کا سانہیر کرنا ظلم ہے اور جب تم میں سے کسی (کے قرض) کو غنی کے حوالے کیا جائے تو وہ اسے قبول کرے۔" [17]

ایک روایت کے الفاظ ہیں :

"مَنْ أَخَذَ مِنْ غَنًى غَنًى كَسَاخِرٍ كَرَاهٍ لَهُمْ" وَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ

"جس کو کسی مال دار کے حوالے کیا جائے تو وہ اس حوالے کو قبول کرے۔" [18]

اگر محال علیہ مالدار نہیں تو محال پر لازم نہیں کہ وہ حوالہ کو ضرور قبول کر لے اور نہ اسے مجبور کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس میں اس کا نقصان ہے۔

جن حضرات کے ذمے لوگوں کے حقوق ہیں اور ان میں انہیں ادا کرنے کی قدرت بھی ہے تو چاہے کہ وہ حقوق کی پاسداری کرتے ہوئے انہیں جلد ادا کریں۔ اگر کسی حوالہ کو قبول کریں تو مال مثول کیے بغیر اسے پورا کریں۔

حدیث کے لفظ: ملی سے مراد ہے جو قرض ادا کرنے پر قادر ہو اور مال مثول سے کام نہ لیتا ہو۔ بعض لوگ ادائیگی حقوق میں قدرت و طاقت کے باوجود بغیر کسی شرعی عذر کے تاخیر اور سستی کر جاتے ہیں۔ محال کو مال مثول کے ذریعے سے اس قدر پریشان کرتے ہیں کہ لوگ حوالہ کو خوفناک یا بے کار شے سمجھنے لگے ہیں بلکہ لوگوں کے ظلم کے سبب اس سے نفرت کرنے لگے ہیں۔

جب حوالہ درست ہو۔ یعنی اس میں مذکورہ تمام شرائط موجود ہوں تو محیل کا ذمہ محال علیہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور محیل اس حق کی ادائیگی سے بری ہو جاتا ہے لہذا محال کے لیے مناسب نہیں کہ وہ محیل کی طرف دوبارہ رجوع کرے کیونکہ اس کا حق دوسرے شخص کی طرف منتقل ہو چکا ہے وہ محال علیہ سے مطالبہ کرتا رہے حتیٰ کہ اس سے اپنی رقم حاصل کر لے یا وصولی کے لیے کسی مناسب صورت پر اس سے صلح و مصالحت کر لے۔

شرعی حوالہ اپنا مال واپس لینے کا آسان اور صحیح طریقہ ہے اس میں لوگوں کے لیے نہایت سہولت ہے بشرطیکہ اس کا استعمال صحیح اور چھٹی طرح ہو اور اس میں کسی قسم کا فریب اور دھوکا شامل نہ ہو۔

وکالت کے احکام

وکالت کے لغوی معنی سپرد کرنے کے ہیں جیسے "وکلت امری الی اللہ" کے معنی ہیں۔ "میں نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا۔" اور شرعی معنی ہیں۔ "کسی ایسے معاملے میں جس میں شرعاً نیابت ہو سکتی ہو۔ کسی جائز التصرف شخص کا اپنے جیسے شخص کا نائب ہونا۔" کتاب و سنت اور اجماع سے وکالت کا جواز ثابت ہے۔ قرآن مجید میں ہے :

فَاتَّخَذُوا مِنْكُمْ وَلِيًّا مِمَّنْ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيَحِبُّونَ الرَّسُولَ وَحَدَّثُوا بَأْسَ الْكُفَّارِينَ... ۱۹ ... سورة الحجۃ

"چنانچہ اب تم اپنے میں سے کسی کو اپنی یہ چاندی (کے سکے) دے کر شہر بھجو۔" [19]

اور فرمان الہی ہے :

قَالَ اِصْنَعْنِي عَلَى خَدَاتِنِ الْاَرْضِ... ۵۵ ... سورة طٰہ

"(یوسف نے) کہا : آپ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے۔" [20]

ایک اور مقام پر فرمان الہی ہے :

"وَالْمُطْعِنِينَ عَلَيْنَا"

"اور ان (صدقات) کو وصول کرنے والوں کے لیے۔" [21]

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحری کی خریداری کے لیے سیدنا عروہ بن جعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وکیل بنایا۔ [22] نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح سیدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کیا۔ [23]

علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم زکاۃ وصول کرنے والے عمال کو اپنا وکیل بنا کر روانہ کیا کرتے تھے۔ [24]

وکالت کے جواز پر امت کا اجماع ہے نیز لوگوں کی حاجت و ضرورت اس کے جواز کی متقاضی ہے کیونکہ ہر شخص اپنی ضروریات کا ہر کام نہیں کر سکتا۔

وکیل کے تقرر کے لیے کلمات

جس لفظ کے ذریعے سے کسی کام کے کرنے کی اجازت معلوم ہو اس سے "وکالت" کا اعتقاد ہو جاتا ہے۔ "مثلاً : "فلاں کام کر دو۔" یا "میں تمہیں فلاں کام کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔" الغرض اس کے لیے کسی مخصوص لفظ کی ضرورت نہیں ہے۔

وکالت کو قبول کرنا فوراً یا تاخیر سے درست ہے ہر اس فعل اور قول کے ذریعے سے جو قبولیت پر دلالت کرے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وکلاء کا وکالت قبول کرنا ان کے وکیل بنائے جانے کے بعد ہوتا تھا۔

وکالت میں وقت کی تعیین کرنا یا کسی شرط کا مقرر کرنا بھی درست ہے مثلاً : کوئی کہے : "تم ایک ماہ تک میرے وکیل ہو۔"

"یا کوئی کہے : "جب میرے اس مکان کے کرایہ کی مدت پوری ہو جائے تو تم میرا یہ مکان فروخت کر دینا۔"

وکیل کی تعیین اور تخصیص ضروری ہے۔ اگر کوئی کہے کہ میں نے ان دو شخصوں میں سے ایک کو وکیل مقرر کیا یا کوئی ایسے شخص کو وکیل بنا دے جسے وہ جانتا پہچانتا نہیں تو یہ درست نہ ہوگا۔

شرائط وکالت

جن شخصی حقوق میں کسی کی نیابت ہو سکتی ہو۔ ان میں وکالت درست ہے چنانچہ کسی امر کے انقاد مثلاً : بیع خریداری اجارہ قرض، مضاربت وغیرہ یا فسخ مثلاً : طلاق، خلع، عتق اور اقالہ وغیرہ اسی طرح عبادات میں سے اللہ تعالیٰ کے جن حقوق میں نہایت ہو سکتی ہے ان میں وکالت درست ہے مثلاً : صدقہ کی تقسیم زکاۃ نکالنا نذر، کفارہ، حج اور عمرہ کی ادائیگی کیونکہ اس کے بارے میں شرعی دلائل موجود ہیں۔

عبادات میں سے اللہ تعالیٰ کے جن حقوق میں نیابت نہیں ہو سکتی مثلاً : عبادات بدنیہ، جیسے نماز، روزہ، اور طہارت وغیرہ میں کوئی شخص اپنا وکیل مقرر نہیں کر سکتا کیونکہ یہ عبادات اسی کے بدن سے متعلق ہیں جس پر فرض ہیں۔

حد و ثابیت کرنے اور اس کے نفاذ میں بھی وکالت درست ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا تھا :

"اس شخص کی عورت کے پاس جاؤ اگر وہ اعتراف جرم کر لے تو اسے سنگسار کر دینا۔" [25]

اگر کسی کو وکیل مقرر کیا گیا ہو تو وہ وکیل ان امور میں کسی دوسرے شخص کو وکیل نہ بنائے مگر چند صورتوں میں جو درج ذیل ہیں۔

1۔ اگر موکل خود اجازت دے دے تو وکیل آگے کسی اور کو بھی اپنا وکیل مقرر کر سکتا ہے۔ مثلاً: موکل وکیل کو اجازت دیتے وقت کہے: "تم چاہو تو کسی کو وکیل مقرر کر سکتے ہو۔" یا وکیل کو کہے۔ "جو چاہو کرو۔"

2۔ جب کوئی کام وکیل کے شایان شان نہ ہو مثلاً: وکیل کا شمار ان معززین میں ہوتا ہو جو اس جیسے معمولی کام کرنے سے بالاتر ہیں۔

3۔ وکیل موکل کا مذکورہ کام کرنے سے عاجز ہو۔

4۔ جب وکیل موکل کے کام کو بہتر انداز سے نہ کر سکتا ہو۔

ان مذکورہ احوال میں وکیل کو چاہیے کہ کسی دوسرے امانت دار شخص کو وکیل مقرر کرے کیونکہ اسے غیر امین شخص کو وکیل مقرر کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

وکیل مقرر کرنا اور وکیل بننا دونوں جائز ہیں کیونکہ وکالت موکل کی طرف سے اجازت کا نام ہے اور وکیل کی طرف سے نفع پہنچانے کا نام ہے اور یہ دونوں لازم نہیں لہذا وکیل اور موکل میں سے جو بھی چاہے وکالت فسخ کر سکتا ہے۔

فسخ وکالت

وکیل یا موکل کوئی بھی وکالت فسخ قرار دے سکتا ہے یا دونوں میں سے ایک کی موت سے یا جنوں سے وکالت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ وکالت کا دارودار زندگی اور عقل پر ہوتا ہے۔ جب دونوں نہ رہیں تو وکالت بھی قائم نہ رہی۔ اسی طرح موکل وکیل کو معزول کر دے تو وکالت ختم ہو جاتی ہے۔ کسی شخص کو اس کی عقل کی کمزوری کی وجہ سے مالی تصرفات سے روک دیا گیا ہو۔ وہ وکیل ہو یا موکل تو وکالت ختم ہو جانے کی کیونکہ اس میں تصرف کی اہلیت باقی نہیں رہی۔

وکیل بننا یا وکیل بنانا

جو شخص ایک کام کرنے کا قانونی اختیار رکھتا ہو وہی وکیل بنا سکتا ہے یا بن سکتا ہے۔ جس شخص کے لیے خود تصرف جائز نہیں اس کے نائب کے لیے بالاولیٰ جائز نہیں۔

وکیل درج ذیل افراد سے خرید و فروخت نہیں کر سکتا۔

1۔ وہ اپنے آپ سے کوئی شے خرید سکتا ہے نہ فروخت کر سکتا ہے کیونکہ عرف میں بیع اسے کہتے ہیں جب کسی غیر کو شے فروخت کی جائے۔ مزید یہ کہ اس طرح اس پر الزام بھی لگنے کا اندیشہ ہے۔

2۔ اسی طرح وہ اپنی اولاد، باپ، بیوی کو اور ان افراد کو جن کی اس کے حق میں شہادت مقبہ نہیں کوئی شے فروخت کر سکتا ہے نہ خرید سکتا ہے کیونکہ ایسا کرنے سے اس پر قرابت داروں کو نوازنے کی تہمت لگ سکتی ہے جس طرح کہ اپنی ذات کے حق میں بیع کرنے سے وہ مستم ہو سکتا ہے۔

موکل اور وکیل کے اختیارات تصرف

1۔ شے کی قیمت ادا کرنا۔

2۔ خریدی ہوئی شے کو قبضے میں لینا۔

3۔ شے میں عیب ہو تو اسے واپس کرنا اور اس کے تاوان کو پورا کرنا۔

وکیل بیع کے وقت (خریدار کو) فروخت شدہ شے حوالے کر دے گا لیکن موکل کی اجازت یا اجازت کے قریبے کے بغیر اس کی قیمت وصول نہیں کرے گا۔ اگر اس نے کسی ایسی جگہ شے فروخت کی کہ اگر اس پر قبضہ نہ کرے گا تو قیمت ضائع ہو سکتی ہے تو اس صورت میں وہ موکل کی اجازت کے بغیر اسے وصول کر سکتا ہے جبکہ وکیل خریداری کے وقت قیمت ادا کرے گا کیونکہ یہ وکیل کے حقوق میں شامل ہے۔

جس شخص کو کسی متنازعہ فیہ شے کے بارے میں بحث و مجادلہ کے لیے وکیل بنایا گیا ہو۔ اسے وہ چیز قبضے میں لینے کا اختیار نہیں لیکن جسے قبضہ اور وصولی کے لیے وکیل بنایا گیا ہے۔ وہ بحث و تکرار کرنے کا حق رکھتا ہے کیونکہ اس (بحث و تکرار) کے بغیر وہ قبضہ نہیں لے سکتا۔

وکیل کس نقصان کا ذمہ دار ہوگا اور کس کا نہیں

وکیل امین ہوتا ہے۔ وکیل سے اگر نقصان ہو جائے اور اس میں کوتاہی نہ ہو تو وہ "ضامن" نہیں ہے یعنی نقصان میں اس کی سستی یا زیادتی کو دخل ہو یا اس سے مال طلب کیا ہو اس نے بلا عذر نہ دیا تو وہ ذمہ دار ہوگا۔

بیع اور اجارہ وغیرہ میں قیمت اور اجرت کی وصولی یا ان کے نقصان یا ان کی مقدار سے متعلق کی بات قابل قبول ہوگی واللہ اعلم۔

حجرے کے احکام

دین اسلام لوگوں کے اموال اور ان کے حقوق کا محافظ ہے اسی لیے اس میں پابندی کے مستحق شخص پر حجر (تصرفات پر پابندی) کو مشروع قرار دیا گیا ہے۔

حجر (حاء کے کسرہ کے ساتھ) کے لغوی معنی "روکنا" ہیں۔ حرام شے کو "حجر" کہتے ہیں کیونکہ وہ ممنوع ہوتی ہے۔ ارشاد بانی ہے۔

وَيَقُولُونَ حَجْرًا مَّحْجُورًا ۚ ... سورة الفرقان ۲۲

"اور وہ (فرشتے) کہیں گے (تم پر جنت) ممنوع ہے حرام کی گئی ہے۔" [26]

"حجر" عقل کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ انسان کو برے اور ضرر رساں کاموں سے روکتی ہے۔ فرمان الہی ہے :

"عَلَىٰ ذَٰلِكَ قَسَمَ لَٰدِي حَجْرٍ"

"یقیناً ان (چیزوں) میں عقل مند کے لیے معتبر قسم ہے۔" [27]

"حجر" کے شرعی معنی ہیں : "کسی انسان کو (کم عمری کم عقلی، جنون یا افلاس کی وجہ سے) تصرفات مالی سے روک دینا۔"

قرآن مجید میں حجر کی دلیل میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے :

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي لَكُمْ قِيًّا وَارْزُقُوهُمْ فَمَا وَادُّوا وَسَوْفَ يُسَاءِلُوكُمْ بِمَا تَقُولُوا فَمَا تَعْلَمُونَ ۚ ... سورة النساء ۵

"بے عقل لوگوں کو اپنا مال نہ دے دو جس مال کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری گزران کے قائم رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے، ہاں انہیں اس مال سے کھلاؤ پلاؤ، پسناؤ، اور حاذ اور انہیں معقولیت سے نرم بات کو (5) اور یتیموں کو ان کے بالغ ہو جانے تک سدا کرتے اور آزماتے رہو پھر اگر ان میں تم ہوشیاری اور حسن تدبیر پاؤ تو انہیں ان کے مال سو پ دو اور ان کے بڑے ہو جانے کے ڈر سے ان کے مالوں کو جلدی جلدی فضول خرچیوں میں تباہ نہ کر دو، مال داروں کو چاہیے کہ (ان کے مال سے) بچتے رہیں، ہاں مسکین محتاج ہو تو دستور کے مطابق واجب طور سے کھالے، پھر جب انہیں ان کے مال سو پ تو گواہ بنا لو، دراصل حساب لینے والا اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے" [28]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کرام پر ان کے قرضہ جات کی ادائیگی کے لیے مالی تصرف کی پابندی لگا دی تھی جب وہ مقروض ہو گئے تھے۔ [29]

حجر کی اقسام

حجر کی دو قسمیں ہیں :

1- کسی انسان کو مالی تصرف سے اس لیے روک دینا کہ اس کے مال میں کسی دوسرے کا حق ہے جیسے مفلس کے مال کو اس کے قرض خواہوں کی وجہ سے روکنا یا کسی مریض کو (اس کے مال میں وراثت کے حق کی وجہ سے) تہائی مال سے زندہ کی وصیت کرنے سے روکنا۔

2- کسی انسان کو خود اس کی ذاتی مصلحت اور فائدے کے لیے مالی تصرفات سے روکنا تاکہ وہ اپنا مال ضائع اور برباد نہ کر لے جیسے کوئی کم عمر یا کم عقل یا مجنون ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

"وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ" "بے عقل لوگوں کو اپنا مال نہ دے دو۔" [30]

بعض علمائے کرام کے نزدیک "السُّفَهَاءُ" سے مراد بچے اور عورتیں ہیں۔ اور علماء کے نزدیک بے وقوف و بھولے بچے اور دیوانے (پاگل) مراد ہیں۔ ان کو مال نہ دینا تاکہ مال خراب نہ ہو۔ آیت میں یہ حکم ولی اور سرپرست کو دیا ہے کیونکہ وہی ان کی نگرانی کرنے والے ہیں اور وہی ان کے محافظ ہیں۔

پہلی قسم کا تعلق مفلس کے ساتھ ہے۔ مفلس وہ ہے جس پر فوری ادائیگی والا قرض ایسا ہو کہ اس کی ملکیت کی تمام اشیاء دے دی جائیں تو بھی سارے قرض ادا نہ ہو سکیں۔ ایسے شخص کو مالی تصرف سے روک دیا جائے گا تاکہ قرض خواہوں کا نقصان نہ ہو۔

تنگ دست مقروض جو اپنا قرض ادا کرنے پر قادر نہیں، قرض خواہ وصولی قرض کے لیے اس سے شدید مطالبہ نہ کرے بلکہ وہ اسے ضرور مہلت دے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

فَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنُقِضْهُ إِلَىٰ غَيْرِهَا ۚ ... سورة البقرة ۲۸۰

"اور اگر کوئی تنگی والا ہو تو اسے آسانی تک مہلت دینی چاہیے۔" [31]

تینگ دست مقروض کو مہلت دینے کی فضیلت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"مَنْ مَرَّ بِأَنْ يَخْلُقَ اللَّهُ فَعَلِمَ إِلَّا عِلْمًا، فَخَيْرٌ عَلَى مَنْفَعَةٍ"

"جسے یہ پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس دن سائے میں لکھے جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا تو اسے چاہیے کہ وہ تینگ دست پر آسانی کرے۔ [32]

افضل یہ ہے کہ تینگ دست مقروض کا قرض معاف کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۚ... سورة البقرة ۲۸۰

"اور تمہارا صدقہ کرنا (قرض معاف کر دینا) تو تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے، اگر تم علم رکھتے ہو۔" [33]

جو شخص قرض ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہو، اسے مالی تصرفات سے روکنا درست نہیں ہے کیونکہ یہاں حجر کی ضرورت نہیں۔ البتہ جب قرض خواہ اس سے اپنے قرض کی واپسی کا مطالبہ کرے۔ تب اسے ادائیگی کا حکم دیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"مَنْ عَنِ عِلْمٍ"

"غنی کا مال مٹول کرنا ظلم ہے۔" [34]

اس کی وجہ یہ ہے کہ جن حقوق العباد کی ادائیگی اس پر لازم تھی وہ ان میں بلا وجہ تاخیر کر رہا ہے اگر وہ باز نہ آئے تو اسے جیل کی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔

شیخ تفتی الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "جو شخص اپنا قرض ادا کرنے پر قادر ہو لیکن ادا نہ کرے تو اس کو مار پیٹ کر یا قید کر کے ادا کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ اصحاب مالک شافعی اور احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح کی ہے۔" شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ مجھے اس میں کوئی نزاع معلوم نہیں ہے۔" [35]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

"إِذَا بَدَأَ عِلْمٌ عَرَضَ وَحُجِرَ"

"مالدار شخص کا مال مٹول کرنا ظلم ہے۔ ایسے شخص کی بے عزتی کرنا (اس کی شکایت کرنا) اور اسے سزا دینا (قید کرنا) جائز ہے۔" [36]

چنانچہ مقروض مالدار شخص جب مال مٹول کر دے تو اسے جیل وغیرہ میں بند رکھا جائے حتیٰ کہ وہ تمام قرض ادا کر دے۔ اور اگر تاخیر میں حرجوں پر مصر ہو تو حاکم وقت دخل اندازی کر کے اس کا مال فروخت کرے اور اس کے قرضے ادا کرے۔ اس کا روائی میں حاکم انکار کرنے والے مقروض کا قائم مقام ہو گا تاکہ قرض خواہوں کو نقصان سے بچایا جاسکے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

"لَا تُزَوِّدُوا خُزَارًا"

"نہ نقصان پہنچایا جائے اور نہ نقصان اٹھایا جائے۔" [37]

گر مشیہ بحث سے واضح ہوا کہ مقروض کی دو حالتیں ہیں :

1۔ جس کے قرض کی مدت باقی ہو۔ اس شخص سے مدت مقررہ سے قبل ادائیگی قرض کا مطالبہ نہ کیا جائے گا کیونکہ وقت سے پہلے اس کی ادائیگی اس پر واجب نہیں اور اگر اس کا مال قرض کی رقم سے کم ہے تو مدت سے پہلے اسے مال میں تصرف کرنے سے روکا نہیں جائے گا۔

2۔ جب قرض کی مدت پوری ہو چکی ہو اور اس کی ادائیگی کا وقت ہو تو ایسے مقروض کی دو صورتیں ہیں۔

اس کے قرض کی نسبت موجود مال بہت زیادہ ہو۔ ایسے شخص کے مال پر تصرف کی پابندی نہیں لگائی جائے گی البتہ اسے حکم دیا جائے گا کہ وہ قرض خواہ کا قرض ادا کرے۔ اگر وہ قرض ادا نہ کرے تو اسے قید کیا جائے گا۔ اور سزا دی جائے گی حتیٰ کہ اس کے مال سے قرضوں کی ادائیگی ہو جائے اگر وہ قید اور سزا برداشت کر جائے اور قرض ادا نہ کرے تو حاکم دخل اندازی کر کے اس کا سامان فروخت کر کے ادائیگی کرے گا۔

اس کے قرض کی نسبت موجود مال بہت کم ہو۔ ایسے شخص کو قرض خواہوں کے مطالبے کی صورت میں مالی تصرف سے روک دیا جائے گا تاکہ ان کا نقصان نہ ہو جیسا کہ کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مال میں تصرف نہ کرنے کی پابندی لگا دی تھی پھر ان کا مال فروخت کر کے پورا قرض ادا کیا۔" [38] امام ابن صلاح فرماتے ہیں۔ یہ حدیث ثابت ہے۔

جب کسی شخص پر مال میں تصرف نہ کرنے کی پابندی عائد کی جائے تو اسے مشہر کیا جائے یعنی اس کا اعلان کیا جائے کہ "فلاں شخص پر اس کے مال میں تصرف پر پابندی لگا دی گئی ہے۔" تاکہ لوگ دھوکا نہ کھائیں اور اس سے مالی معاملہ کر کے نقصان نہ اٹھائیں۔

مُجَرَّمًا مِّنْ مَّا كَانَ عَلَيْهِ مِنْ قَرْضٍ أَوْ حَقٍّ : مجرموں سے متعلق چار احکام ہیں :

پہلا حکم

کسی مفلس شخص کے پاس مالی تصرف کی پابندی لگنے سے پہلے جو مال موجود تھا اس پر قرض خواہوں کا حق ہے نیز اگر کچھ مال مذکورہ پابندی کے بعد وراثت دیت، ہبہ یا وصیت وغیرہ کے سبب حاصل ہوا تو پابندی کا اطلاق اس مال پر بھی ہوگا لہذا محجور علیہ کے لیے اجازت نہیں کہ وہ پابندی لگنے کے بعد حاصل ہونے والے مال میں کسی قسم کا تصرف کرے۔ اسی طرح چلنے والے مال میں کسی اور شخص کے حق کا اقرار کرے گا تو اس کا اقرار تسلیم نہ ہوگا کیونکہ قرض خواہوں کے حقوق اس کے سارے مال سے متعلق ہیں لہذا کسی اور شخص کے حق کے بارے میں اس کا قول و اقرار معتبر نہ ہوگا۔ الغرض سارے مال میں کسی قسم کا مالی تصرف کرنا اس پر حرام ہے تاکہ قرض خواہوں کا نقصان نہ ہو۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اگر اس کا سامان قرض میں گھر ہو تو پناہ خرچ نہ کرے کیونکہ اس سے قرض خواہوں کو ضرر پہنچتا ہے خواہ قاضی نے اس پر مال خرچ کرنے کی پابندی لگائی ہو یا نہ لگائی ہو۔ امام مالک رحمہ اللہ علیہ کا مذہب بھی یہی ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے باقی آئمہ ثلاثہ کے نزدیک ایسا شخص حاکم کی پابندی سے قبل مال میں تصرف کر سکتا ہے۔ ہمارے نزدیک پہلا قول اصول شرع کے موافق ہونے کی وجہ سے زیادہ راجح اور صحیح ہے اس لیے کہ اس مال کے ساتھ قرض خواہوں کا حق وابستہ ہے تبھی تو قاضی اس پر پابندی لگائے گا اور اگر اس کے مال کے ساتھ قرض خواہوں کا حق وابستہ نہ ہو تو قاضی اس پر پابندی نہیں لگا سکتا تھا اس قسم کے قرض خواہ کی مثال اس مریض کی سی ہے جو قریب المرگ ہو کہ جب اس کے مال کے ساتھ وارثوں کا حق وابستہ ہے تو شریعت نے اسے تنہا مال سے زیادہ خرچ کرنے سے روک دیا ہے کیونکہ اگر اس کو مال میں تصرف کا حق دے دیا جائے تو اس سے وثائق کی حق تلفی ہوگی۔ اسی طرح اس مقروض کو اس کے اپنے مال میں تصرف کا حق دینے سے قرض خواہوں کے حقوق تلف ہوتے ہیں۔ شریعت نے اس طرح حقوق پامال نہیں کیے بلکہ شریعت تو دوسروں کے حقوق کی پاسداری اور مال کے ضیاع کا سد باب کرنے کا درس دیتی ہے۔ [39]

دوسرا حکم

اگر کسی نے مجبور علیہ کے پاس اپنا وہ سامان بیعینہ موجود پایا جو اس نے پابندی لگنے سے پہلے اسے فروخت کیا تھا یا بطور قرض یا ہجرت پر دیا تھا تو اسے وہ مال یا سامان لینے کا حق حاصل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"مَنْ أَوْزَكَ نَالَهُ بِقِيَّتِهِ عِنْدَ رَبِّهِ - أَوْ إِنْ سَابَ - هَذَا أَطْلَسَ فَمَا أَحَقُّ بِهِ مِنْ غَيْرِهِ"

"جس نے مفلس کے ہاں اپنا مال (سامان) بیعہ موجود پایا وہی اسے واپس لینے کا دوسرے کی نسبت زیادہ حقدار ہے۔" [40]

جس کا مال مفلس کے پاس ہو اسے بیعینہ واپس لینے کے بارے میں فقہائے کرام نے کچھ شرائط مقرر کی ہیں جو درج ذیل ہیں :

1۔ مال واپس لیتے وقت مفلس زندہ ہو یعنی فوت نہ ہو چکا ہو۔ چنانچہ البوداؤد کی روایت میں ہے :

"وَأَن مَّاتَ الْفُتْرَىٰ فُجَّابُ الْمَتَاعِ أَتُؤْتُوا الْقُرْمَاءَ"

"اگر (مفلس) مشتری فوت ہو گیا تو سامان کا مالک دوسرے قرض خواہوں کی طرح ہوگا۔" [41]

2۔ اس شے کی پوری قیمت مفلس کے ذمے ہو۔ اگر صاحب مال نے اپنی شے کی کچھ قیمت وصول کر لی تو اب اپنی شے واپس لینے کا مستحق نہیں۔

3۔ متعین شدہ مکمل طور پر مفلس کی ملکیت میں ہو۔ اگر اس کا کچھ حصہ مفلس کے پاس ہے اور باقی حصہ اس کے پاس نہیں تو وہ اسے واپس نہ لے گا کیونکہ مالک نے اپنی مکمل شدہ اس کے پاس نہیں پائی۔

4۔ وہ شے اپنی سابقہ حالت میں قائم ہو یعنی اس کی کوئی صفت تبدیل نہ ہوئی ہو۔

5۔ اس شے کے ساتھ کسی دوسرے شخص کا حق وابستہ نہ ہو مثلاً: مفلس نے اسے کسی کے پاس گرومی نہ رکھ دیا ہو۔

6۔ اس شے میں کوئی متصل اضافہ نہ ہو چکا ہو۔ مثلاً شے کا ہونا یا بڑا ہو جانا۔

جب یہ سچے شرائط کسی شے میں موجود ہوں تو درج بالا روایت کے مطابق صاحب سامان اپنی شے مفلس سے واپس لے سکتا ہے۔

تیسرا حکم

کسی نے مفلس شخص پر پابندی لگنے سے لے کر پابندی اٹھانے تک کی مدت کے دوران میں مفلس کو کوئی شے فروخت کی یا اسے بطور قرض دی تو وہ پابندی اٹھنے سے پہلے اس سے کوئی مطالبہ نہیں کر سکتا بلکہ پابندی اٹھنے کے بعد اپنی شے کا مطالبہ کرے گا یعنی وہ پابندی لگنے سے پہلے کے قرض خواہوں میں شامل ہوگا۔

چوتھا حکم

حاکم مفلس کا موجود مال فروخت کرے گا اور اس کی قیمت قرض خواہوں کے درمیان ان کے فوری واجب الادا قرضوں کے تناسب سے تقسیم کرے گا کیونکہ حجر کا مقصد یہی تھا اس میں تاخیر کرنا یا مال مٹول کرنا ظلم ہے البتہ حاکم

4۔ لڑکی کے بالغ ہونے کی ایک مزید علامت اسے حیض کا آنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"بے وقوف لوگوں کو اپنا مال نہ دے دو جس مال کو اللہ نے تمہاری گزران کے قائم رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے۔" [52]

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے بے وقوفوں کو مال میں تصرف کرنے کی اجازت دینے سے روکا ہے جس میں لوگوں کے لیے گزران ہے، یعنی ان کی معیشت و تجارت وغیرہ قائم ہے اور اسی سے بے وقوفوں وغیرہ پر "حجر" کا حکم اخذ کیا جاتا ہے۔" [53]

جیسے اللہ تعالیٰ نے کم عتقوں کو ان کا مال ان کے سپرد کرنے سے روکا ہے اور اسے اہل نظر اور اصلاح کرنے والوں کے سپرد کر دیا ہے، ایسے ہی اولیاء کو تنبیہ کی ہے کہ اس میں ایسا تصرف نہ کریں جس سے ان کے مالوں میں فائدہ اور اصلاح نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۚ ... سورة الانعام 152

"اور تم یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو کہ مستحسن ہے یہاں تک کہ وہ اپنے سن بلوغ کو پہنچ جائے۔" [54]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب یہ آیت :

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ... سورة الانعام 152

"اور تم یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو کہ مستحسن ہے۔" [55]

اور یہ آیت :

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُمُونَ أَمْوَالَ الْيَتِيمِ ظُلْمًا إِنَّهَا غَافِلُونَ ۚ ... سورة النساء 10

"جو لوگ ناحق ظلم سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور عنقریب وہ دوزخ میں جائیں گے" [56]

نازل ہوئی تو جس شخص کے پاس یتیم تھا اس نے گھر جا کر فوراً یتیم کا کھانا پینلپنے کھانے پینے سے الگ کر لیا۔ اور اگر یتیم کا کھانا بیچ جاتا تو اسے الگ رکھ دیا جاتا حتیٰ کہ یتیم خود کھا لیتا یا پڑا پڑا خراب ہو جاتا۔ یہ صورت صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین پر گراں گزری، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں اس کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَحِلُّوا مَالَ الْيَتِيمِ ۚ ... سورة البقرة 220

"اور آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ ان کی خیر خواہی بہتر ہے، تم اگر ان کا مال اپنے مال میں ملا بھی لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔" [57]

"تب انھوں نے ان کا کھانا پینلپنے کھانے پینے کے ساتھ شامل کر لیا۔" [58]

یتیموں کے ساتھ تعاون اور بہرہ ریزی کی بہترین صورت یہ ہے کہ ان کے اموال نفع بخش تجارت کے کاموں میں لگائے جائیں یا ولی اور نگران خود اس سے تجارت کرے یا کسی شخص کو بطور مضاربت ان کا مال دے دے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے بھائی محمد بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مال تجارت پر لگا دیا تھا۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے :

"تجروانی أموال الیتمی لیتکما الزکاۃ"

"تم یتیموں کے مال تجارت میں لگاؤ ایسا نہ ہو کہ زکاۃ انھیں ختم کر دے۔" [59]

اسی طرح یتیم کا ولی اس کے حملہ اخراجات اچھے طریقے سے پورے کرے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "یتیم کی عزت کرنا، اس کو خوشی دینا اور پریشانی سے بچانا مستحب ہے اور اس کی دل جوئی بہت بڑا نیکی کا کام ہے۔"

اگر یتیم مالدار ہو تو اس کا سرپرست اس کے مال میں سے قربانی کا جانور خرید سکتا ہے کیونکہ عید کا دن خوشی کا دن ہے۔ اسی طرح سرپرست یتیم کو اس کا مال خرچ کر کے تعلیم دلوا سکتا ہے کیونکہ اس میں اس کا فائدہ ہے۔

اگر یتیم کا ولی فقیر ہو تو وہ یتیم کا مال سنبھالنے کی مناسب اجرت لے سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ ... سورة النساء 1

"ہاں (جو) مسکین و محتاج ہو تو وہ دستور کے مطابق کھا سکتا ہے۔" [60]

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "یہ آیت یتیم کے والی کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو یتیم اور اس کے مال کی نگرانی اور اصلاح کرتا ہے تو اگر وہ ضرورت مند ہو تو اس کے مال سے کھا سکتا ہے۔" [61]

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ آیت:

وَمِنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْفِهْ وَمِنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ ... سورة النساء 1

"مال داروں کو چاہیے کہ (ان کے مال سے) بچتے رہیں، ہاں! جو مسکین و محتاج ہو تو وہ دستور کے مطابق کھا سکتا ہے۔" [62]

یتیم کے ولی کے بارے میں نازل ہوئی کہ (وہ یتیم کے مال سے) بقدر نگرانی لے سکتا ہے۔ [63]

فقہائے کرام نے کہا ہے کہ یتیم کا ولی معروف اجرت یا بقدر حاجت ان دونوں صورتوں میں سے جس صورت میں کم رقم بنتی ہو وہ وصول کرے۔ بعض روایات میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: میری کفالت میں ایک ایسا یتیم ہے جس کے پاس مال ہے، البتہ میرے پاس مال نہیں تو کیا میں اس کے مال میں سے لے سکتا ہوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عَنْ مَالِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَأْكُلُ مَالُ الْيَتِيمِ إِلَّا بِمِثْقَلِ ذَرَّةٍ مِنْ حَقِّهِ."

"زیادتی کیے بغیر اپنے یتیم کے مال میں سے کھا لو۔" [64]

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی رخصت کی حد عبور نہ کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں نہایت سخت الفاظ استعمال فرمائے ہیں، چنانچہ فرمایا:

وَلَا تَجْعَلُوا أَمْوَالَكُمْ لِآلِهِمُ الْمَوْتُ مَحْضًا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا خَمِيلًا ۚ ... سورة النساء 1

"اور ان کے بڑے ہو جانے کے ڈر سے ان کے مالوں کو جلدی جلدی فضول خرچیوں میں تباہ نہ کرو۔" [65]

اور فرمایا:

وَلَا تَجْعَلُوا أَمْوَالَكُمْ لِآلِهِمُ الْمَوْتُ مَحْضًا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا خَمِيلًا ۚ ... سورة النساء 2

"اور اپنے مالوں کے ساتھ ان کے مال ملا کر کھانہ جاؤ، بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔" [66]

نیز فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ يُؤْتُونَ أَهْلَهُمْ مِنْهُ مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُسْرًا ۚ ... سورة النساء 10

"جو لوگ ناحق ظلم سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور عنقریب وہ دوزخ میں جائیں گے" [67]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اجتمعوا السبع الموبقات قالوا يا رسول الله ما هن قال الشرك بالله والسحر وقتل النفس التي حرم الله والبغى وكل الربا وكل مال الغنم والتميل لم الرصع وقذف المحرمات الفاحشات

"سات تباہ کن گناہوں سے بچ کر رہو۔" عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون کون سے ہیں؟ آپ نے فرمایا: "اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، اللہ کی حرام کی ہوئی جان کو ناحق قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا (کفار سے) جنگ کے موقع پر پٹھہ پھیر کر بھاگ جانا اور پاک دامن بھولی بھالی مومن عورتوں پر (بدکاری کی) تمت لگانا۔" [68]

جب یتیم کی قیمتی کا دور ختم ہو جائے (جو سن بلوغت ہے) اور وہ مال میں تصرف کرنے کا اہل ہو جائے تو گواہوں کی موجودگی میں اس کا مکمل مال اس کے حوالے کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا أَتُوا بِالْحَقِّ إِلَّا يُؤْتَوْنَ

"اور یتیموں کو ان کے مال دے دو۔" [69]

نیز فرمایا:

وَابْتَغُوا الْيَتِيمَ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ الْبِرَّ كَانَ مِنَ الشَّرِّ أَفْوَهًا ۚ وَلْيَرْزُقْهُ مِمَّا رَزَقْنَاهُ يُغْنِي عَنْهُ وَالْيَتِيمَ الْإِنَّمَالُ ۚ ... سورة النساء 1

"اور یتیموں کو ان کے بالغ ہو جانے تک سدھارتے اور آرتے رہو، پھر اگر ان میں تم بوشیاری اور حسن تدبیر پاؤ تو انہیں ان کے مال سوئپ دو۔" [70]

نیز فرمایا:

قَدْ وَفَّيْتُمْ لَكُمْ فَاذْكُرُوا عَلَيْهِمْ وَكُنْزِي بِاللَّهِ حِينًا ۚ ... سورة النساء

"پھر جب انہیں ان کے مال سو نہ ہو تو گواہ بنا لو اور حساب لینے والا اللہ ہی کافی ہے۔" [71]

یعنی جب سر پرست یتیموں کی دیکھ بھال کرتے ہیں، پھر ان کے مال ان کے سپرد کرتے ہیں تو اس وقت اللہ ہی کافی محاسب اور گواہ ہے۔ اور وہ دیکھ رہا ہے کہ وہ یتیموں کو ان کے پورے کے پورے مال حوالے کرتے ہیں یا ان میں کمی کرتے (اور نینت کا ارتکاب کرتے) ہیں۔

صلح کے احکام

صلح کے لغوی معنی "صحو" ختم کرنا" کے ہیں جبکہ شریعت کی اصطلاح میں "دو جھگڑنے والے افراد کے درمیان پیدا شدہ اختلافات ختم کرنے کے معاہدے کو صلح کہتے ہیں۔" یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ صلح سے مراد وہ معاہدہ ہے جس سے دو افراد کا باہمی نزاع ختم ہو جائے۔

صلح ایک ایسا معاہدہ ہے جس کے بہت سے فائدے ہیں، اسی لیے بوقت ضرورت اس میں جھوٹ کی آمیزش کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

صلح کی مشروعیت قرآن، حدیث اور اجماع سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالْخُلُوعُ... ۱۲۸ ... سورة النساء

"اور صلح بہت بہتر چیز ہے۔" [72]

ایک اور مقام پر فرمایا:

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَا فَلْيَنْصِفْ بَيْنَهُمَا إِنَّهُ لَنِ الْحَكِيمِ ۚ ... سورة الحجرات

"اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں میل ملاپ کر دیا کرو۔ پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم (سب) اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، اگر لوٹ آئے تو پھر انصاف کے ساتھ صلح کرادو اور عدل کرو بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے" [73]

ایک اور مقام پر فرمایا:

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَنْصِلْ ذَلِكَ إِيَّاهُمْ فَهُوَ بِأَعْيُنِنَا ۚ ... سورة النساء

"ان کے اکثر خفیہ مشوروں میں کوئی خیر نہیں، ہاں! بھلائی اس کے مشورے میں ہے جو خیرات کا یا نیک بات کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم کرے اور جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے ارادے سے یہ کام کرے اسے ہم یقیناً بہت بڑا ثواب دیں گے" [74]

نیز فرمایا:

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلَحُوا ذَاتَ بَعْضِهِمْ... ۱ ... سورة الانفال

"سو تم اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو" [75]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم «الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحاً أعلن خراباً أو خرم غلاً»"

"مسلمانوں میں صلح جائز (نافذ ہونے والی) ہے الا یہ کہ جو حلال کو حرام کر دے یا حرام کو حلال بنا دے۔" [76]

نیز خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان صلح کروانے میں دلچسپی لیا کرتے تھے۔

جائز صلح کی بنیاد عدل و انصاف پر ہوتی ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔ اس کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے۔ اس کے بعد دونوں کو راضی کرنا بھی مقصود ہوتا ہے۔

لوگوں کے درمیان صلح کروانے کے لیے ضروری ہے کہ وہاں کوئی ایسا شخص موجود ہو جو جھگڑے کے حالات و واقعات سے واقف ہو، نیز واجب اور ذمہ داری کو سمجھتا ہو اور عدل کرنا اس کا مقصد ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کے

درمیان صلح کروانے والے شخص کا مقام و مرتبہ اس شخص سے کہیں بڑھ کر ہے جو مسلسل روزے رکھنے والا اور قیام کرنے والا ہے۔ [77]

واضح رہے جو صلح عدل و انصاف سے عاری ہوگی وہ ظلم اور حق تلفی ہوگی۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص طاقتور ظالم اور کمزور مظلوم کے درمیان اس طرح صلح کروادے کہ وہ طاقتور ظالم کو خوش کرے، ظالم کے ظلم کو برقرار رکھے، ضعیف کو اس کا حق نہ دلائے یا اسے واپس دلانے کی جرات و کوشش نہ کرے۔

واضح رہے صلح مخلوق کے ان حقوق کے بارے میں ہوتی ہے جس کا تعلق ایک دوسرے سے ہے اور جنہیں معاف کیا جاسکتا ہے، البتہ اللہ تعالیٰ کے حقوق، مثلاً: حدود اور عبادات وغیرہ میں صلح کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی۔ ان میں صلح یہی ہے کہ انہیں مکمل طور پر ادا کیا جائے۔

صلح کی پانچ صورتیں ہیں جو درج ذیل ہیں:

- 1۔ مسلمان اور حریوں (کافروں) کے درمیان صلح کروانا۔
 - 2۔ مسلمانوں میں سے اہل عدل اور باغیوں کے درمیان صلح کروانا۔
 - 3۔ خاوند اور بیوی میں، جب اختلاف پڑھے کا اندیشہ ہو، صلح کروانا۔
 - 4۔ مال کے علاوہ کسی اور چیز میں دو جھگڑے والوں کے درمیان صلح کروانا۔
 - 5۔ مال کے بارے میں جھگڑنے والے فریقین کے درمیان صلح کروانا۔
- واضح رہے اس بحث میں یہی آخری قسم مقصود ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

اقرار پر مبنی صلح۔

انکار پر مبنی صلح۔

اقرار پر مبنی صلح کی دو صورتیں ہیں:

1۔ متنازعہ چیز کا کچھ حصہ معاف کرنے پر صلح کرنا۔

2۔ متنازعہ چیز کے علاوہ کوئی اور شے دینے پر صلح کرنا۔

اگر صاحب حق صلح کے لیے متنازعہ چیز میں سے کچھ حصہ خود معاف کرنے پر آمادہ ہو جائے تو یہ صلح درست ہے، مثلاً: ایک شخص دوسرے کے کسی مقرر قرض کا اعتراف کرتا ہے یا کسی ایسی مالی شے کا اقرار کرتا ہے جو اس کے پاس موجود ہے۔ پھر صاحب حق اپنے قرض کی کچھ رقم لینے اور کچھ رقم معاف کرنے پر صلح کر لے یا اس چیز کا کچھ حصہ بہہ کر دے اور باقی وصول کر لے تو جائز ہے۔ صلح کی اس صورت کے جواز کے لیے درج ذیل شرائط ہیں:

ایک شخص دوسرے کے حق کا اعتراف کرتا ہے مگر یہ شرط لگاتا ہے کہ "میں کچھ لے کر لی اس کی ادائیگی کروں گا"

تو یہ اس کے لیے جائز نہیں۔ یا صاحب حق کہے: "میں تجھے اس شرط پر بری قرار دیتا ہوں یا فلاں شے بہہ کرتا ہوں کہ تو مجھے اس قدر رقم ادا کر دے۔" تو اس قسم کی شرط بھی درست نہیں کیونکہ صاحب حق کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مکمل حق کا مطالبہ کرے۔

اس قسم کی صلح کے لیے یہ شرط بھی ہے کہ وہ حق کی ادائیگی کو صلح کے ساتھ مشروط نہ کرے کیونکہ یہ دوسرے کے مال کو ناجائز کھانا ہے جو حرام ہے، نیز حق والے کو اس کا حق بغیر کسی قید و شرط کے ادا کرنا واجب ہے۔

صاحب حق ایسا شخص ہو جو بہہ کر سکتا ہو۔ اگر بہہ کرنے کا حق نہ رکھتا ہو تو ایسی صلح جائز نہیں، مثلاً: کوئی یتیم یا مجنون کے مال کا ولی ہے تو وہ یتیم و مجنون کے مال کا مالک نہیں، اس لیے وہ صلح کی خاطر کسی کو یہ مال بھی نہیں دے سکتا۔

الغرض صلح کی مذکورہ بالا صورت بیان کردہ شرائط کے ساتھ جائز ہے کیونکہ اس کا تعلق رضامندی اور خوشی سے ہے۔ کسی انسان کو اپنے حق میں سے کچھ حصہ معاف کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا جس طرح کہ اسے سارا حق وصول کرنے سے روکا نہیں جاسکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قرض خواہوں سے بات چیت کی کہ اس کے قرضے کا کچھ حصہ معاف کر دیں۔ [78]

اقرار پر مبنی صلح کی دوسری صورت یہ ہے کہ صاحب حق کو متنازعہ چیز کے علاوہ کوئی اور چیز دینے پر مصالحت کر لے، مثلاً: ایک شخص دوسرے کے قرض کا یا کسی متین چیز کا اعتراف کرے، پھر صاحب حق کو متنازعہ چیز کے عوض میں کوئی اور چیز دینے پر صلح کر لے۔ اگر ایک شخص نقد رقم کے عوض میں نقد رقم سے صلح کرتا ہے تو یہ "بیع صرف" کے حکم میں ہے جو جائز ہے۔ اور اگر کوئی نقد رقم کے عوض میں کوئی اور چیز دینے کی شرط پر صلح کرتا ہے تو یہ بیع بن جانے کی اور اس پر بیع کے احکام جاری ہوں گے۔ اور اگر کسی نے کسی مال کے عوض میں اپنے گھر میں رہائش کی سہولت دینے پر صلح کی تو یہ اجارہ (کرایہ پر دینا) ہے، اس پر کرائے کے احکام جاری ہوں گے۔ اگر کسی نے نقدی کے سوا کسی اور چیز کے عوض کوئی دوسری مالی چیز دینے پر صلح کی، مثلاً: بھینس کے عوض گائے دینے پر صلح کی تو یہ صلح بیع کے حکم میں ہوگی۔

انکار پر مبنی صلح کی صورت

یعنی ایک شخص دوسرے پر اپنے حق کا دعویٰ کرتا ہے اور "مدعا علیہ" خاموش رہتا ہے اور اسے معلوم نہیں کہ دعویٰ کس چیز کا کیا گیا ہے، پھر مدعی، مدعا علیہ کے خاموش رہنے کی وجہ سے اپنے دعوے کی چیز کے عوض مدعا علیہ سے نقد رقم لے یا ادھار شے لینے کا وعدہ لے کر مصالحت کر لیتا ہے تو اکثر اہل علم کے نزدیک ایسی صورت میں صلح جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم «الصلح جائز بين المسلمين الا ضلوا على امرائهم وخم غلله»"

"مسلمانوں میں صلح جائز (نافذ ہونے والی) ہے الا یہ کہ جو حلال کو حرام کر دے یا حرام کو حلال بنا دے۔" [79]

صلح کی اس قسم کا مدعا علیہ کو فائدہ یہ ہے کہ وہ خصومت اور حلف سے بچ جاتا ہے جبکہ مدعی کو گواہ پیش کرنے کی تکلیف نہیں ہوتی اور اسے اپنے حق کی وصولی میں جوتاخیر ہو سکتی تھی اس سے بچ جاتا ہے۔

انکار پر صلح مدعی کے حق میں بیچ کی طرح ہوتی ہے کیونکہ وہ اسے اپنے مال کا معاوضہ تصور کرتا ہے، لہذا اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے یقین کے مطابق عمل کرے۔ یہ صورت ایسے ہوگی گویا مدعا علیہ نے اس سے یہ چیز خرید لی ہے، لہذا مدعی کے لیے اس کے احکام بیع والے ہوں گے، مثلاً: وصول شدہ چیز عیب کی وجہ سے واپس کرنا اور اگر شفعہ والی چیز ہو تو شفعہ کے حق کا حاصل ہونا۔

مدعا علیہ کے حق میں اس صلح کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ دعویٰ سے بری الذمہ ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے مال کی ادائیگی اپنی قسم کے بدلے کی ہے تاکہ خود سے ضرر کو دور کرے، جھگڑا ختم کرے اور مقدمہ بازی کی پریشانی سے بچ جائے۔ چونکہ عزت دار افراد ایسی چیزوں سے بچ کر رہنا پسند کرتے ہیں، لہذا وہ اس صورت حال سے بچنے کے لیے مال ادا رکھتے ہیں۔ اگر صلح کے نتیجے میں حاصل ہونے والی چیز میں کوئی عیب ہو تو مدعا علیہ اسے خیال عیب کی بنیاد پر واپس کرنے کا حق نہیں رکھتا اور اگر وہ شفعہ والی چیز ہو تو شفعہ کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتا کیونکہ وہ اسے کسی چیز کا عوض سمجھ کر وصول نہیں کر رہا۔

اگر مبنی بر انکار کی مصالحت میں فریقین میں سے کسی نے مجھوت سے کام لیا، مثلاً: مدعی نے کسی شے کے بارے میں مجھوتا دعویٰ کیا یا مدعا علیہ نے انکار دعویٰ میں مجھوت سے کام لیا یا وجود یہ کہ اسے اپنے مجھوت پر یقین ہے تو جس مجھوتے فریق کو یہ شے یا مال مل گیا اسکے حق میں یہ صلح باطل ہے کیونکہ وہ حقیقت اور سچائی کو جانتا ہے اور صاحب حق کو اس کا حق دینے پر قادر ہے، لہذا اس صلح کے بموجب وہ جو کچھ لے رہا ہے اس پر حرام ہے کیونکہ اس نے یہ مال ظلم اور زیادتی کرتے ہوئے لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

لَا تَكُونُوا مِمَّنْ عَمِلُوا بِالْأَرْبَابِ... سورة البقرة

"اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو۔" [80]

اگرچہ یہ صلح لوگوں کے ہاں درست ہوگی کیونکہ انھیں مخفی حالات کا علم نہیں ہوتا لیکن یہ صلح اس ذات کے ہاں حقیقت کو بدل نہیں سکتی جس سے آسمانوں اور زمینوں کی کوئی شے مخفی نہیں، لہذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ایسے برے کاموں اور باطل جیلوں سے گریز کرے۔

جنی برانکار صلح کے مسائل میں سے یہ بھی ہے کہ اگر کسی اجنبی شخص نے مدعا علیہ کی اجازت کے بغیر مدعی سے مصالحت کر لی تو یہ صلح درست قرار پائے گی کیونکہ اجنبی شخص کا اس مقصد مدعا علیہ کو قسم سے بچانا اور محاسنت کو ختم کرنا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی اجنبی شخص نے کسی کا قرض ادا کر دیا، البتہ اس اجنبی نے مدعی کو جو کچھ دیا اس کا مدعا علیہ سے مطالبہ نہ کر سکے گا کیونکہ اس نے جو کچھ دیا ہے تبرعاً (خوشی سے) دیا ہے۔

نامعلوم حق کے بارے میں صلح جائز ہے، خواہ یہ حق دونوں فریقوں کا ایک دوسرے پر ہوا یا صرف ایک فریق کا ہو بشرط یہ کہ اس نامعلوم کو معلوم کرنا ناممکن ہو، جیسے دونوں کا آپس کا حساب جس پر طویل عرصہ گزر چکا ہو اور دونوں کو ایک دوسرے کے ذمے حق کا علم نہیں (کہ کتنا تھا) جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کو، جن کا قہم میراث کے بارے میں اختلاف ہوا تھا، فرمایا :

"ثم توباہن ثم استما، ثم لیحل کل واحد منكما ما به"

"قرعہ ڈال لو اور حق کے مطابق طے کرنے کی کوشش کرو اور ہر ایک دوسرے کی کسی بیشی کو معاف کر دو۔" [81]

کیونکہ یہ اپنے حق سے دست برداری ہے تو مجبوری کی وجہ سے نامعلوم میں بھی جائز ہے تاکہ مال ضائع نہ ہو جائے یا کسی کے ذمے دوسرے کا حق باقی نہ رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بیشی معاف کرنے کا حکم اس لیے دیا تاکہ پوری طرح بری الذمہ ہو سکیں کیونکہ یہ مخلوق کا حق ہے اور مخلوق کا حق عظیم ہے۔

قصاص کے معاملے میں شریعت کی مقرر کردہ دیت کے ساتھ صلح یا کمی بیشی کر کے فریقین کے درمیان صلح ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس میں مال کی مقدار متعین نہیں ہوتی، لہذا اس کے بدلے معاوضہ واقع نہیں ہوتا۔

حدود شرعیہ کے نفاذ میں مصالحت درست نہیں کیونکہ ان کی مشروعیت میں یہ حکمت ہے کہ دوسرے لوگ ان جرائم سے باز رہیں، نیز اس میں اللہ تعالیٰ اور معاشرے کا حق ہے جب کہ صلح اسے ختم کر دیتی ہے، معاشرے کو خیر و فلاح کے فوائد سے محروم کر دیتی ہے اور رفتہ و فساد برپا کرنے والے اور ناکارہ لوگوں کے لیے حوصلہ افزائی کا سبب بنتی ہے، لہذا حدود شرعیہ میں مصالحت جائز نہیں ہے۔

[1]۔ البقرة: 2/283۔

[2]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہودی کے ہاں اپنی زہر گروی رکھنا حضور میں رہن کے جواز کی واضح دلیل ہے۔ صحیح البخاری الجہاد والسیر باب ما قبل فی درع النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث: 2916۔

[3]۔ البقرة: 2/282۔ 283۔

[4]۔ البقرة: 2/282۔

[5]۔ کتاب الام للشافعی: 4/60، والسنن الکبریٰ للبیہقی: 6/39، وسنن ابن ماجہ الرعون باب لا یطلق الرحن حدیث: 2441، وسنن الدار قطنی: 3/32، حدیث: 2899۔

[6]۔ البقرة: 2-283۔

[7]۔ صحیح البخاری الرهن فی الحضر باب الرهن مرکوب و محلوب، حدیث: 2512۔

[8]۔ اعلام الموقعین: 2/38، بتصرف و مسند احمد: 5/267، وسنن ابی داؤد حدیث: 3565۔

[9]۔ یوسف: 12/72۔

[10]۔ سنن ابی داؤد البیوع باب فی تضمین العاریہ حدیث: 3565، وجامع الترمذی البیوع باب ما جاء فی ان العاریہ موداة حدیث: 1265۔

[11]۔ سنن ابی داؤد البیوع باب فی تضمین العاریہ حدیث: 3565، وجامع الترمذی البیوع باب ما جاء فی ان العاریہ موداة حدیث: 1265۔

[12]۔ یوسف: 12/72۔

[13]۔ سنن ابی داؤد البیوع باب فی تضمین العاریہ حدیث: 3565 وجامع الترمذی البیوع باب ما جاء فی ان العاریہ موداة حدیث: 1265۔

[14]۔ "حوالہ" کی مزید وضاحت یوں ہے کہ مثلاً: اشرف کا اکرم کے ذمے کچھ قرض ہے۔ اکرم کہتا ہے کہ میں نے اسلم سے رقم وصول کرنی ہے اس لیے تم مجھ سے وصول کرنے کے بجائے اسلم سے وصول کرلو۔ اس مثال میں اکرم (مقروض) محیل، اشرف (قرض خواہ) محال اور اسلم (مقروض کا مقروض محال علیہ ہے۔ اگر اسلم ادائیگی کر دے تو اکرم بری الذمہ ہو جائے گا۔ اس عمل کو حوالہ دیتے ہیں۔ (صارم)

[15]۔ صحیح البخاری الحوالات باب الحوالہ وحل یرجع الحوالہ؛ حدیث: 2287۔

2288 و صحیح مسلم المساقاة باب تحريم مظل الغني۔ حدیث: 1564

[16]۔ دیکھئے اعلام الموقعین: 11-2/10۔

[17]۔ صحیح البخاری الحوالات باب الحوالہ وحل یرجع الحوالہ؛ حدیث: 2287۔

2288 و صحیح مسلم المساقاة باب تحريم مظل الغني۔ حدیث: 1564۔

[18]۔ مسند احمد: 2/463۔

[19]۔ الکشف: 18-19۔

[20]۔ یوسف: 12-55۔

[21]۔ التوبہ: 9-60۔

[22]۔ صحیح البخاری المناقب باب: 28۔ حدیث: 3642۔

[23]۔ (ضعیف) مسند احمد: 6/392-393۔ وجامع الترمذی الحج باب ما جاء فی کراهیہ تزویج المحرم حدیث: 841۔

[24]۔ جامع الترمذی، الزکاة باب ما جاء فی زکاة البقر حدیث: 623۔

[25]۔ صحیح البخاری، الوکایہ باب الوکایہ فی الحدود، حدیث: 2314-2315۔ و صحیح مسلم الحدود باب من اعترف علی نفسه بالزنا حدیث: 1697-1698۔

[26]۔ الفرقان: 25-22۔

[27]۔ الفجر: 89-5۔

[28]۔ النساء: 6-5-4۔

[29]۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مقروض ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر مالی تصرف کی پابندی عائد کر دی تھی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مال میں سے پورا قرض ادا کر دیا۔ سنن الدار قطنی: 4/230 حدیث: 4505 والمستدرک للحاکم: 2/58۔ حدیث: 2348 (صارم)

[30] - النساء: 4:5.

[31] - البقرة: 2/280.

[32] - المعجم الكبير للطبراني: 1/304 حديث 899.

[33] - البقرة: 2/280.

[34] - صحيح البخاري الأحوال باب النحالة وحل يرجع في النحالة؟ حديث 22-2287

88. - صحيح مسلم المساقاة باب تحريم مطل الغني حديث 1564.

[35] - مجموع الفتاوى الشيخ الإسلام ابن تيمية رحمه الله عليه 35/402.

[36] - سنن ابن داود القضاء باب في الدين هل يجس به؟ حديث 3628 - ومسند أحمد 4/222 - 388 - 389. وتلخيص البحار 3/39 حديث 1237 - واللفظ له.

[37] - سنن ابن ماجه الأحكام باب من بنى في حقه ما يضر بجاهه حديث: 2340.

[38] - (حسن) المستدرک للحاكم 2/58 حديث 2348 وسنن الدارقطني: 4/230 حديث 4505.

[39] - اعلام الموقعين: 4/9 بتصرف.

[40] - صحيح البخاري الاستقراض باب اذا وجد مال عند مفلس حديث 2402 وصحيح مسلم المساقاة باب من ادرك ما باعه عند المشتري حديث 1559.

[41] - سنن ابى داود البيوع باب في الرجل يفلس فيجد الرجل متاعه بيمينه عنده حديث 3520.

[42] - النساء: 4/5 - 6.

[43] - اعلام الموقعين: 2/150.

[44] - النور 59: 24.

[45] - سنن ابى داود الحدود، باب في الغلام يصيب الحد، حديث 4404 - 4405.

[46] - صحيح البخاري الشهادات باب بلوغ الصبيان وشهادتهم حديث 2664 - وصحيح مسلم الامارة، باب بيان سن البلوغ حديث 1868 - وسنن ابن ماجه الحدود باب من لا يحب عليه الحد، حديث 2543 واللفظ له.

[47] - سنن ابى داود الصلاة باب المرأة تصلى بغير ثمار حديث 641.

[48] - النساء: 4: 6.

[49] - الانعام: 6/152.

[50] - النساء: 4/10.

[51] - النساء: 9/4.

[52] - النساء: 4: 5.

[53] - تفسير ابن كثير: 1/601 النساء 4/10.

[54] - الانعام 6: 152.

[55] - الانعام: 6/152.

[56] - النساء: 4/10.

[57] - البقرة: 2/220.

[58] - تفسیر ابن کثیر 1/346 البقرة: 2/220۔

[59] - السنن الکبریٰ للبیہقی 4/107۔ والمجم الاوسط للطبرانی 5/90 حدیث 4164 واللفظ لہ۔

[60] - النساء: 4-6۔

[61] - تفسیر ابن کثیر 1/602 النساء: 4-6۔

[62] - النساء: 6-4۔

[63] - تفسیر ابن کثیر 1/602 النساء: 4-6۔

[64] - سنن ابی داود الوصایا باب ما جاء فیما لولی التیمم ان ینال من مال التیمم حدیث 2872۔ و سنن النسائی، الوصایا، باب ما لوصی من مال التیمم اذا قام علیه؟ حدیث 3698۔ و سنن ابن ماجہ الوصایا باب قوله: "ومن كان فقیراً غلیظاً کلّ بالغرغوف" النساء: حدیث 2718۔

[65] - النساء: 6-4۔

[66] - النساء: 2-4۔

[67] - النساء: 10-4۔

[68] - صحیح البخاری الوصایا، باب قول الله تعالى: "إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى" (صحیح مسلم الايمان باب الكبار واکبر حدیث 89۔ حدیث 2766 و صحیح مسلم الايمان باب الكبار واکبر حدیث 89۔

[69] - النساء: 4-2۔

[70] - النساء: 6-4۔

[71] - النساء: 6-4۔

[72] - النساء: 128-4۔

[73] - الحجرات 9-49۔

[74] - النساء: 114-4۔

[75] - الانفال: 1-8۔

[76] - سنن ابی داود القضاء باب فی الصلح حدیث 3594۔ و جامع الترمذی الاحکام باب ما ذکر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فی الصلح بين الناس، حدیث 1352۔

[77] - صحیح ابن حبان 11/489۔ حدیث 5092۔

[78] - صحیح البخاری البيوع باب الكيل على البائع والمعطى حدیث 2127۔

[79] - سنن ابی داود القضاء باب فی الصلح حدیث 3594۔ و جامع الترمذی الاحکام باب ما ذکر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فی الصلح بين الناس، حدیث 1352۔

[80] - البقرة: 188-2۔

[81] - سنن ابی داود القضاء باب فی قضاء القاضی اذا اخطأ حدیث 3584 والمصنف لابن ابی شیبہ 5/27۔ حدیث 2338 واللفظ لہ۔

حدامعندی واللہ اعلم بالصواب

قرآن وحدیث کی روشنی میں فقہی احکام ومسائل

کتاب البيوع: جلد 02: صفحہ 60

